مسجدِ نبویؐ

جناب شاہ بلیغ الدین صاحب

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اُس زمانے میں مدینے کے گورنر تھے۔ ربیع الاوّل ۸۸ھ مطابق ۷۰۶ء کے مبارک مہینے میں بنی اُمیہ کے چہیتے حکمران ولید کا ایک خاص ایلچی مدینہ آیا۔ عمامے کے کچھ پیچ بندھے تھے، کچھ کھُلے۔ ظاہری حالت دیکھ کر خیال ہوتا تھا، نہ جانے کیا پریشانی کی خبر لایا ہے۔ لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فوراً بلایا، پوچھا کیا خبر لائے ہو؟ کیا حال ہے؟ اُس نے عرض کیا سب ٹھیک ہے۔ ایک خط آپ کے نام لایا ہوں۔ خط اس نے حوالے کر دیا تو خط پڑھ کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے لوگوں کو جمع کیا۔ ان سے خط کے مضمون پر بات چیت کرتے رہے۔ پھر ان لوگوں کو بُلا بھیجا جن کے گھر مسجدِ نبوی کے آس پاس تھے۔ اُن سے گفتگو ہوئی تو اپنے کچھ عزیز رشتہ داروں کو بلوایا اور ان سے بات چیت کرتے رہے۔

خط میں لکھا تھا ـــــ مسجدِ نبویؐ کو پھر سے بنایا جائے۔

نقشِ ثانی | مسجدِ نبویؐ کی توسیع کا خیال سب سے پہلے حضرت عمرؓ کے ذہن میں آیا۔ ۱۷ھ ہجری، ۶۳۸ عیسوی میں بات یہ تھی کہ مدینے کی آبادی بہت بڑھ گئی تھی۔ اللہ نے اپنے کرم سے مسلمانوں کی تعداد کہیں سے کہیں پہنچا دی تھی۔ اب یہ مسجد نمازیوں کے لیے کافی نہ تھی اِس لیے اس میں گنجائش بڑھانا ضروری تھا۔

مسجدِ نبویؐ کی توسیع کا مرحلہ بڑا نازک تھا۔ چاہے ضرورتوں کا کچھ بھی حال ہو،

حضور اکرمؐ کی بنائی ہوئی مسجد میں ذرا بھی تبدیلی کرتے ہوئے احساسِ عقیدت کو ٹھیس پہنچتی تھی۔ ویسے حضورؐ نے خود اپنی زندگی میں فتح خیبر کے بعد مسجد نبویؐ کو بڑھایا تھا۔ حضرت عمرؓ نے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہ سنتا کہ اس مسجد کی توسیع کرنا ہے تو ہرگز اس کی توسیع کا خیال بھی نہ کرتا۔

ایوانِ حکومت مسجد نبویؐ کی اس زمانے میں دو بڑی حیثیتیں تھیں۔ ایک مسجد کی، دوسری ایوانِ حکومت کی!! حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ یہیں بیٹھ کر رائے مشورہ کرتے۔ سفیروں سے ملاقاتیں فرماتے۔ یہیں جنگ کے نقشے بنائے جاتے۔ یہیں سے سپہ سالاروں کو احکامات جاری ہوتے۔ نظم ونسق کا سارا کام یہیں ہوتا۔ اس زمانے میں مسجد اپنی اصلی حالت میں تھی۔ وہی کچی اینٹوں کی دیواریں اور وہی کھجور کی ٹہنیوں کی چھت!!

اللہ اللہ وہ بھی کیا منظر تھا کہ اس کھجور کے پتوں کے نیچے اپنی عبا کو تکیہ بنائے فاروق اعظمؓ سو رہے تھے تو سامنے سے زرق برق لباس پہنے، زر وجواہر کا تاج سر پہ جمائے، سلطنتِ عجم کا امیر الامراء ہرمزان چلا آیا۔ ساتھ طبل وعلَم، لاؤلشکر، نقیب، نقارچی ایک سے ایک بڑھ کر ٹھاٹھ دکھاتے آتے۔ خدمت گاروں کے جھلمل جھلمل کرتے جوڑے اور ان کے ہاتھوں میں سونے چاندی کے موٹھ چھل اور سنہری روپہلی عصا عجیب بہار دکھا رہے تھے۔ مسجد نبویؐ پہنچ کر ہرمزان نے پوچھا: تمہارے بادشاہ کا محل کہاں ہے؟ حضرت انسؓ بن مالک اور حضرت احنفؓ بن قیس سے جو میدان جنگ سے اُسے پکڑ لائے تھے، بولا — مجھے یہاں کہاں لے آئے؟ اپنے بادشاہ کے پاس لے چلو۔

مغیرہ بن شعبہؓ جو پاس کھڑے تھے، بولے — تم ایوانِ حکومت میں امیر المومنین کے سامنے ہی تو ہو! ان پیوند زدہ کرتا پہنے ہوئے بزرگ کو دیکھتے ہو جو اپنے ہاتھ کا تکیہ بنائے اپنی عبا پر سر رکھے سو رہے ہیں، یہی مسلمانوں کے امیر المومنین ہیں، تمہاری عظیم الشان سلطنت کے فاتح! اور یہ کچی دیواروں کا سائبان ہمارے نبیؐ کی بنائی ہوئی مسجد ہے، جو ہمارا ایوانِ حکومت بھی ہے؟ یہ وہ زمانہ ہے جب نوشیروان کا بنایا ہوا اسفید محل حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی رہائش گاہ بن گیا تھا۔ کچھ آگے پیچھے یہی زمانہ ہے کہ اسکندریہ

کے عالیشان سنگِ مرمر کے محل حضرت عمروؓ بن عاص کے قبضے میں آ گئے۔ ہر جگہ سے بے اندازہ مالِ غنیمت مسلمانوں کے قبضے میں آیا تھا لیکن مسلمانوں کا ایوانِ حکومت اب بھی وہی تھا جو حضورِ اکرمؐ کے زمانے میں تھا اور مسلمانوں کا امیر اب بھی اسی حال میں رہتا تھا جیسا کچھ وہ ہجرت کے ابتدائی دنوں میں رہتا تھا۔

مسلمانوں نے شہر کوفہ بسایا۔ یہ حضرت سعد بنِ ابی وقاصؓ کا صدر مقام قرار پایا، تو یہاں مسجد اور دفاتر بنائے گئے۔ سرزمینِ نیل پر مسلمانوں نے اپنا شہر فسطاط بسایا اور یہ مصر میں اسلامی دارالحکومت قرار پایا تو یہاں عمرو بن عاص نے عالیشان عمارتیں تعمیر کرائیں۔ ایک بڑا بھاری محل امیرالمومنین کے لیے بھی بنوایا گیا۔ حضرت عمرؓ نے سنا تو فوراً لکھ بھیجا ـــ تم نے بیکار وہاں میرے لیے مکان بنوایا، یہ کس کام کا ہے؟ فوراً اسے فوجیوں کے رہنے کے لیے دے دو! ساری سلطنتِ عجم اور آدھی سے زیادہ سلطنتِ روم فتح کر کے بھی فاروقِ اعظمؓ مسجد نبوی کے فرش پر بیٹھ کر کام کرتے رہے اور ان کے رہنے کا مکان گھاس پھوس ہی کا رہا۔

دَورِ فاروقیؓ اب مسجد کی جو توسیع کی گئی تو وہی پتھر کی بنیادیں تھیں، وہی کچی مٹی کی دیواریں، وہی کھجور کے تنوں کے ستون اور وہی کھجور کی ٹہنیوں کی چھت۔ آپ نے حضرت عباسؓ کا پورا مکان اور حضرت جعفر طیار کا آدھا مکان مسجد میں لے لیا اور مغرب کی طرف دو عدد ستون اور بڑھا دیے۔ کوئی بیس ہاتھ کی یہ جگہ نکل آئی اور قبلے کی طرف ایک کمان نکلوائی جس کی چوڑائی کوئی دس ہاتھ تھی۔ اب مسجد کا طول ایک سو چالیس ہاتھ اور عرض ایک سو بیس ہاتھ ہو گیا۔ مسجد کے دروازے چھ کر دیے گئے۔

اُس زمانے میں ایران فتح ہو گیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہاں سے نفط (تیل) منگوا کر مسجد نبوی میں چراغ روشن کیے۔ مسجد نبوی میں چراغاں دیکھ کر سیّدنا حضرت علیؓ نے بے اختیار دُعا کی کہ ـــ یا رب! ابوحفص (حضرت عمر فاروقؓ) کی قبر کو بھی اسی طرح روشن کر دے۔

مسجد کے مشرقی کنارے پر ایک چبوترا بنایا گیا اسے بُطَیحیٰ نام دیا گیا۔ یہاں مسلمان

بیٹھ کر زندگی کے مختلف معاملات کے بارے میں بات چیت کرتے تھے۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ امیر المومنین مسجد کے جس کونے میں بیٹھے حکومت کا کام کاج کرتے ہوتے، وہیں لوگ بیٹھے اپنے مطلب کی باتیں کیا کرتے جس کی وجہ سے توجہ بٹ جایا کرتی تھی۔

عہدِ عثمانیؓ

مسجد نبویؐ میں توسیع کو کوئی بارہ برس گزر چکے تھے۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کا پانچواں سال تھا کہ انہیں مسجد نبویؐ کی توسیع کا خیال آیا۔

حضرت عمرؓ نے جو مسجد نبوی کی توسیع کی تھی تو حضور اکرمؐ کی رکھی ہوئی بنیادوں کو جوں کا توں باقی رکھا تھا۔ بس مشرق کی سمت کچھ حصہ بڑھایا گیا تھا۔ اضافہ کیے ہوئے حصے میں جو سامان لگایا گیا تھا وہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا رسالت پناہ نے استعمال فرمایا تھا۔

حضرت عثمانؓ نے پوری مسجد کو پھر سے بنوایا۔ اس وقت دلوں کا عجیب حال تھا وہ دن نظروں میں پھر رہے تھے جب آقائے دوجہاں نے حرمِ امن، مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی پہلی عبادت گاہ تعمیر فرمائی تھی۔ وہ مسجد جس میں پڑھی ہوئی ایک نماز دوسری مسجدوں کی ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ جو گھر سے یہاں نماز پڑھنے کی نیت سے وضو کر کے چلے اور یہاں آکر نماز پڑھ لے وہ ایک حج کے ثواب کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ یہیں وہ منبر نبویؐ ہے جس کے بارے میں ایک ارشاد ہے کہ — میرا منبر حوضِ کوثر پہ ہے اور دوسرا ارشاد ہے کہ — میرا منبر جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری پہ ہے۔

گوشۂ جنت

یہ جگہ جہاں مسجد نبویؐ بنائی گئی، دو یتیم انصاری لڑکوں سہیل اور سہل کی تھی جن کا تعلق بنی نجار سے تھا اور جو حضرت اسعد بن زرارہؓ کی نگرانی میں پڑے ہو رہے تھے۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ معاذ بن عفراؓ اُن کے سرپرست تھے۔ یہی وہ مبارک جگہ تھی جہاں مدینہ پہنچنے پر حضور اکرمؐ کی سواری کی اونٹنی بیٹھی تھی۔ ارشاد تھا — کہ میں وہیں اتروں گا جہاں یہ اونٹنی بیٹھے گی، کیونکہ اسے قدرت کی طرف سے میرے اترنے کی جگہ بتا دی گئی ہے۔ یہاں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں۔ ایک طرف مشرکوں کی قبریں، اور کچھ کھجوروں کے درخت تھے۔ امام زہری کا بیان ہے، حضرت ختمی مرتبت نے جب یہ طے فرما دیا کہ یہ جگہ مسجد نبویؐ کے لیے خریدی جائے گی تو اس کا معاوضہ دس دینار

سیدنا حضرت ابوبکرؓ نے یتیم لڑکوں کو ادا کر دیا۔ کھجور کے درخت کٹوا کر قبلہ کی طرف باڑھ لگا دی گئی۔ مشرکوں کی قبروں کو کھدوا دیا گیا۔ یہ وہ مبارک جگہ تھی جہاں سرورِ کائنات کی ہجرت سے پہلے بھی نماز ہوتی تھی۔ حضرت ابوامامہؓ اور اسعد بن زرارہؓ یہاں جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے۔ صرف ایک لانبی دیوار اس غرض کے لیے بنی ہوئی تھی۔ اب یہی جگہ جنت کی ایک کیاری بننے والی تھی۔

زمین خرید لینے کے بعد اب مسجد کی تعمیر کا سوال پیدا ہوا۔ حالات کے لحاظ سے یہ بڑا سوال تھا لیکن آقائے دوجہاں خود بنیاد کھودنے، پتھر اور مٹی ڈھونے میں لگ گئے۔ شاید یہی منظر دُنیا نے اُس وقت بھی دیکھا ہوگا، جب حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو ساتھ لے کر خدا کا پہلا گھر بنایا۔

مسجدِ قُبا | مدینہ پہنچنے سے پہلے حضور اکرمؐ کچھ دنوں کے لیے مدینے سے بالکل قریب ہی ایک چھوٹی سی بستی قُبا میں تشریف فرما رہے تھے۔ چار دن یا چودہ دن؟ اس بارے میں اختلاف ہے ــــ اس دوران میں باقاعدہ اور باجماعت نماز ادا کرنے کے لیے آپ نے یہاں بھی اپنے دستِ مبارک سے ایک مسجد کی بنا ڈالی۔ جو مسجدِ قُبا کے نام سے مشہور ہوئی۔ جس کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے کہ ــــ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ــــ وہ مسجد جس کی بنا پہلے ہی دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی، وہ مسجد اس کی پوری مستحق ہے کہ آپ اُس میں کھڑے ہوں، یہ ظاہری اور باطنی پاکی کو پسند کرنے والے اشخاص کی مسجد ہے اور اللہ طاہروں کو پسند کرتا ہے ــــ مسجد قبا کے بارے میں یہ وحی نازل ہوئی تو اللہ کے رسولؐ نے بنی عمرو سے پوچھا کہ ــــ یہ کون سی پاکی اور طہارت ہے؟ روض الانف میں امام سہیل نے لکھا ہے کہ بنی عمر استنجا کرنے کے بعد پانی سے بھی طہارت کرتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد قُبا کی صرف حد بندی فرمائی تھی اس کی تعمیر نہیں فرمائی۔ اس مسجد کا سنگِ بنیاد رکھنے کی تجویز حضرت عمار بن یاسر نے پیش کی تھی۔

ہجرت سے پہلے کا زمانہ وہ تھا کہ مسلمان چھپ چھپ کر عبادت کرتے تھے۔ خدا کا نام لینے پر کیا کیا پابندیاں نہ تھیں۔ کلمہ تک بھی تو کوئی پکار کر نہ پڑھ سکتا تھا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر کفار نے کیا کیا ظلم نہ ڈھائے تھے۔ کتنی ہی بار ان عاشقانِ پاک طینت کی زندگی بس سانس سے بندھی رہ گئی تھی۔ کوئی نہ کہہ سکتا تھا کہ اس قدر مار کھانے کے بعد یہ اللہ کے نیک بندے زندہ بھی رہ سکیں گے یا نہیں۔ یہ ظلم و بربریت کا مظاہرہ صرف اس لیے تھا کہ انہوں نے خانہ کعبہ میں اونچی آواز سے خدا کا نام لیا تھا اور آج قدرت نے مدینۃ النبیؐ میں وہ دن لائے تھے کہ مسلمان کھلے عام ایک عبادت گاہ تعمیر کر رہے تھے۔

سنگِ بنیاد مسجد نبویؐ کا پایہ پتھر اور چونے کا تھا۔ یہ تین ہاتھ گہرا رکھا گیا۔ دیواروں میں کچی اینٹ لگائی گئی تھی۔ لمبائی ستر ہاتھ اور چوڑائی ساٹھ ہاتھ تھی۔ قبلہ بیت المقدس کی طرف بنایا گیا تھا۔ ہجرت کے سترھویں مہینے قبلہ بدلنے کا حکم آیا تو آپ کوئی دو ہفتے تک اسطوانہ عائشہؓ کے سامنے کھڑے رہ کر نماز پڑھاتے رہے پھر آپ اس طرف آ گئے جہاں اب آپ کا مصلیٰ بنایا جاتا ہے یہ جگہ میزابِ رحمت کی سمت میں ہے۔ پرانے قبلہ کی طرف ایک چبوترہ تھا۔ یہاں اہلِ دل اور اہلِ علم پڑھنے لکھنے میں لگے رہتے تھے۔ صُفہ کی یہ درس گاہ تاریخِ اسلام کی پہلی اقامتی یونیورسٹی تھی۔ اس کے شیخ الجامعہ حضرت عبادہ بن صامت تھے۔ عبداللہ بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں لکھنا سکھاتے اور معلّمِ کتاب و حکمت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی درس دیا کرتے تھے۔

مسجد کی تعمیر کے ساتھ ہی اُمہات المومنین کے لیے حجرے بھی بنائے گئے۔ پہلے دو تھے، بعد میں بڑھتے گئے۔ یہ حجرے آٹھ فٹ سے لمبے چوڑے نہ تھے۔ ان کی چھت بھی اتنی ہی اونچی تھی جو کھجور کے پتوں سے پاٹی گئی تھی۔

سنہ ۷ھ، ۶۲۸ عیسوی میں جنگِ خیبر سے کامیاب لوٹے تو حضورؐ نے محسوس فرمایا کہ مسجد نبویؐ نمازیوں کے لیے تنگ ہو رہی ہے، اسے بڑا کرنے کی ضرورت ہے۔ اب کی مرتبہ چوکور شکل میں بنایا گیا۔ لمبائی سو ہاتھ تھی یعنی ڈیڑھ سو فٹ اور چوڑائی بھی سو ہاتھ تھی یعنی ڈیڑھ سو فٹ۔ مسجد کی چوڑائی کے لیے کچھ زمین کی ضرورت تھی۔ مسجد نبویؐ سے لگی ہوئی جگہ ایک انصاری صحابی کی تھی

رسالت پناہ نے کہلوایا کہ ــ زمین کے اس ٹکڑے کو جنت کی ایک عمارت کے بدلے دے سکتے ہو۔ حضرت عثمانؓ نے سنا تو دوڑے دوڑے ان انصار صحابی کی خدمت میں پہنچے۔ وفاءالوفا میں ہے' دس ہزار درہم میں ان سے زمین کا سودا کیا اور خوشی خوشی خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے ــ عرض کیا۔ یارسول اللہ! مسجد میں اضافے کے لیے آپ کو زمین کی ضرورت ہے؟ ارشاد ہوا کہ ہاں اشد ضرورت ہے۔

عرض کیا ــ جس قیمت پر آں انصار صحابی سے آپ یہ سودا فرما رہے تھے۔ اس پر میں تیار ہوں! اللہ اللہ کیا مزاج شناسی، کیا عقیدت مندی اور اپنے رسول کی بات پر کیا عشق تھا! یہ ایک ہی موقع نہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کو جنت کی بشارت ملی۔ مدینہ میں رومہ کا کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کرنے پر بھی انہیں جنت کی خوشخبری ملی تھی اور لشکرِ عسرہ کا سامان کرنے پر اسی مسجدِ نبویؐ کے منبر سے حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ــ اب عثمانؓ کے جرم و گناہ ان کو تکلیف نہ دیں گے ــ یہ نصیب، اللہ اکبر!

حضرت عثمانؓ نے مسجد نبویؐ کی توسیع کا کام پہلی ربیع الاول ۲۹ھ (۶۴۹ عیسوی) سے شروع کیا ــ پہلی محرم ۳۰ھ کو یہ کام تکمیل کو پہنچا۔ اس زمانے میں آپ خود بھی سنتِ نبویؐ کی پیروی میں مسجد نبوی بنانے کا کام کرتے رہے۔ مسجد سے کبھی باہر نہ نکلتے تھے۔ دن کو روزہ رکھتے اور رات کو بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز رہتے تھے۔

حضرت جعفر طیارؓ کا آدھا مکان حضرت عمرؓ کے زمانے میں مسجد میں شامل کر دیا گیا تھا باقی اب شامل کر دیا گیا۔ تراشے ہوئے پتھر کی دیواریں اور ستون بنائے گئے۔ چھت میں لکڑی لگائی گئی۔ دروازے وہی چھ رہے اور مسجدِ نبویؐ اب ایک سو ساٹھ ہاتھ لانبی اور ایک سو پچاس ہاتھ چوڑی ہو گئی۔

اسلامی تعمیرات سے مراد یوں تو وہ ساری عمارتیں ہیں جو مسلمانوں نے بنائیں۔ ان کے علاوہ شہر، باغات، نہریں، سڑکیں وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں۔ لیکن فنی اور تاریخی اہمیت کے ساتھ عام طور پر مسجدوں ہی کا ذکر پہلے کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں پہلا سالِ ہجری وہ یادگار زمانہ ہے جب اسلامی تعمیرات کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ مسجدِ نبویؐ کی تعمیر سے مسلمانوں کی فنی تاریخ شروع ہوتی ہے کیونکہ مسجدِ قبا تو صرف اینٹیں اور پتھر جما کر حد بندی کی گئی تھی۔ (باقی)